# علی عباس حسینی کے افسانوں میں سماجی شعور

ڈاکٹر تہمینہ عباس
Dr. Tehmina Abbas

**Abstract:**

Ali Abbas hussaini is a short story writer of urdu, who depicted the social problems faced by the middle-class and sub-continental 's rural milieu.He is one of those few writers of Urdu who have successfully portrayed sub-continent s villages in short fiction.

Though Ali Abbas Husaini was inspired by premchand, his art is diffrent from premchand 's.

Both represent realism but Ali Abbas Hussaini comparatively modren, progressive and Romantic.This paper evaluates Ali Abbas Hussaini 's short stories and their thems.

علی عباس حسینی کی ولادت ۳ فروری ۱۸۹۷ء کو غازی پور ضلع کے ایک گاؤں بارہ میں ہوئی۔[۱] والد کا نام مولوی سید محمد صالح تھا۔[۲] علی عباس حسینی نے جس ماحول میں آنکھ کھولی وہ خالص زمیندارانہ تھا۔ ان کے والد زمیندار ہونے کے ساتھ ساتھ سخت مذہبی، عربی اور فارسی کے عالم تھے۔[۳] گاؤں میں ایک صرف ان کا گھر تھا جہاں اخبار لاہور، مشرق، گورکھپور روزانہ آتے تھے۔[۴] حسینی کے والد کے کتب خانے میں اردو کی سیکڑوں کتابیں موجود تھیں۔[۵] حسینی کی ابتدائی تعلیم و تربیت ان کے گاؤں پارۂ میں گھر پر ہوئی۔ گھر میں ہی عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی اور ابتدائی عمر میں ہی والد کے کتب خانے کی مختلف کتابوں تک رسائی حاصل کرلی۔ ان کے والد کے کتب خانے میں مذہبی کتابوں کے علاوہ شور اور طیب کے ناول، میر حسن اور منیر شکوہ آبادی کی مثنویاں، میر انیس و دبیر کے مرثیے، دیوان چرکین، اور واسوخت امانت بھی موجود تھے۔

علی عباس حسینی کو بچپن سے ہی الف لیلیٰ، شاہنامہ اور باغ و بہار تک رسائی ہوگئی تھی۔[۶] حسینی کا کہنا ہے کہ میں نے جو کچھ اردو سیکھی وہ والدہ سے چھپ کر ان ہی کتابوں کو پڑھ کر سیکھی۔[۷] پرائمری تعلیم

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اردو، جامعہ کراچی

مدرسہ سلیمانیہ، پٹنہ سے، سیکنڈری غازی پور حرمن مشن اسکول پٹنہ اور میٹرک الہ آباد سے ۱۹۱۵ء میں پاس کیا۔ لکھنؤ کے کرسچن کالج سے ۱۹۱۷ء میں ایف اے، کیننگ کالج لکھنؤ سے ۱۹۱۹ء میں بی اے پاس کیا۔[۸] ایم اے کے لیے علی گڑھ کالج میں داخلہ لیا تھا مگر سخت ملیریا کا شکار ہونے کے باعث تعلیم نامکمل چھوڑ کر گھر چلے گئے۔ ۱۹۲۱ء میں ٹریننگ کالج الہ آباد سے ال۔ٹی کر کے گورنمنٹ اسکول رائے بریلی میں انگریزی اور تاریخ کے استاد مقرر ہوئے۔[۹] ۱۹۳۴ء میں تاریخ میں پرائیویٹ ایم اے کیا۔[۱۰] ۱۹۲۷ء میں آپ کا تقرر بحیثیت لیکچرار لکھنؤ کے جوبلی کالج میں ہو گیا یہاں پر آپ نے تقریباً ۱۲ سال تک کام کیا، اس کے بعد آپ کا تبادلہ کان پور ہو گیا، یہاں حسین آباد انٹر کالج میں پرنسپل کے عہدے پر فائز رہے، حسینی نے تقریباً ۲۷ سال تک درس و تدریس کے فرائض انجام دیے اور ۳۰ جون ۱۹۵۴ء کو ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔[۱۱]

سب سے زیادہ لطف انھیں الف لیلیٰ اور شاہنامہ پڑھنے میں آیا۔[۱۲] میٹرک کرنے کے بعد انگریزی زبان کے جن ادیبوں سے واسطہ پڑا ان میں لیمب، سر والٹر اسکاٹ، رینالڈس خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔[۱۳] لکھنؤ کرسچین کالج میں داخلے کے بعد انھوں نے ''تھیکرے'' اور اسٹوولسنسن کا مطالعہ کیا۔[۱۴] اسی دور میں مذہبی تاریخوں اور انجیل کا مطالعہ بھی کیا۔ انجیل خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ کیونکہ مذہب ان کو پوری زندگی متاثر کرتا رہا۔[۱۵] بی اے کے زمانے میں انھوں نے انگریزی کلاسیکی ادب کا مطالعہ کیا۔ ان ہی دنوں انھوں نے شیکسپیئر اور ملٹن کو پڑھا۔ کیمبشن، شیلے، ڈرورتھ اور براؤننگ کا انھوں نے خوب مطالعہ کیا لیکن ورڈزورتھ نے انھیں زیادہ متاثر نہیں کیا۔[۱۶]

بی اے کے ہی زمانے میں انھوں نے عالمی افسانوی ادب کا مطالعہ کیا اور ہارڈی، ہوپ، ایچ جی ویلین، او ہنری، وکٹر، ہیوگو، اناتول، فرانس، موپاساں، ٹالسٹائی، ترگنیف، ان کے مطالعے پر چھائے رہے لیکن اس زمانے کے قابلِ ذکر مصنف دستوو سکی نے ان کو متاثر نہیں کیا۔[۱۷] انھوں نے افسانے، ناول، ڈرامے، درسی کتابیں، مضامین، تاریخی کتابیں، تبصرے اور مقدمے وغیرہ سبھی کچھ لکھے لیکن شہرت صرف افسانہ نگار کی حیثیت سے ملی۔[۱۸] انھوں نے اپنا ایک فرضی نام ممتاز حسین رکھ لیا تھا اس نام سے بھی آپ کے متعدد مضامین مختلف رسالوں اور اخباروں میں شائع ہوئے ہیں۔[۱۹] ۲۷ ستمبر ۱۹۶۹ء کو آپ کا انتقال ہوا اور لکھنو کے کربلائے ملکہ جہاں میں مدفون ہوئے۔[۲۰]

علی عباس حسینی نے پہلا افسانہ ۱۹۱۸ء میں ''پژمردہ کلیاں'' کے عنوان سے دوست احباب سے شرط لگانے کی صورت میں لکھا کہ انھوں نے اپنا دوسرا افسانہ سات برس بعد ''جذبِ کامل'' کے عنوان سے لکھا جو ان کا پہلا مطبوعہ افسانہ ہے جو ۱۹۲۵ء میں ''زمانہ'' کان پور میں شائع ہوا۔[۲۱] ان کا پہلا افسانہ ''پژمردہ کلیاں'' دو یا تین ماہ بعد اس رسالے میں شائع ہوا۔[۲۲] ۱۹۱۹ء میں انھوں نے ایک روحانی ناول بھی لکھا جس کا عنوان ''سر سید احمد پاشا عرف تقدیر کے تین خط'' یا ''قاف کی پری'' رکھا۔[۲۳] حسینی نے

تقریباً دوسو افسانے لکھے ان کا پہلا افسانوں کا مجموعہ ''رفیق تنہائی'' تھا۔ جو ۱۹۳۱ء میں شائع ہوا۔ اس مجموعے کو ہندوستانی اکیڈمی کی طرف سے اول انعام پانچ سو روپے کا ملا تھا۔ یہ ہی انعام سب سے پہلے پریم چند کو بھی ملا تھا۔[۲۴] علی عباس حسینی سادات خاندان میں سے تھے۔ ان کے دادا کا مولویوں کا خاندان تھا مگر ان کے والد سید محمد صالح نے مسجد کی امامت کا بار اپنے سر لینا پسند نہیں کیا۔[۲۵] نند کشور وکرم نے، ان کے افسانوں کے مجموعوں کی یہ فہرست ''کلیات علی عباس حسینی'' میں پیش کی ہے۔

۱۔ رفیق تنہائی، مکتبہ اردو، لاہور، ۱۹۴۲ء
۲۔ باسی پھول: مکتبہ اردو، لاہور ۱۹۳۹ء
۳۔ آئی سی ایس اور دوسرے افسانے: انڈین پریس الہ آباد، ۱۹۴۰ء
۴۔ میلہ گھومنی، مکتبہ اردو، لاہور
۵۔ کچھ نہیں، نہیں ہے، انڈین پریس الہ آباد
۶۔ پھولن کی جھڑی (ہندی) دانش محل لکھنؤ
۷۔ ہمارا گاؤں، فروغ اردو، لکھنؤ
۸۔ گائے امان (ہندی) دانش محل لکھنؤ
۹۔ سیلاب کی راتیں، شمع بک ڈپو نئی دہلی
۱۰۔ ندیا کنارے، پبلی کیشنز ڈیویژن، نئی دہلی
۱۱۔ سر سید احمد پاشا، یا قاف کی پری، بھارگو بک ڈپو، امین آباد لکھنؤ
۱۲۔ شاید کہ بہار آئے، بھارگو بک ڈپو، امین آباد لکھنؤ
۱۳۔ حکیم بانا، بھارگو بک ڈپو، امین آباد لکھنؤ
۱۴۔ کومل نگری، (ہندی) ترجمہ، مکتبہ جامعہ نئی دہلی
۱۵۔ نورتن، مکتبہ جامعہ نئی دہلی
۱۶۔ امیر خسرو، پنجابی پستک بھنڈار، نئی دہلی
۱۷۔ ناول کی تاریخ وتنقید، انڈین بک ڈپو، لکھنؤ
۱۸۔ تذکرہ اردو مرثیہ (بعد وفات) اردو پبلی کیشنز، لکھنؤ
۱۹۔ ناول کی تاریخ وتنقید، انڈین بک ڈپو، لکھنؤ
۲۰۔ والڈن ہنری تھوڑو، (ترجمہ) ساہتیہ اکاڈمی نئی دہلی
۲۱۔ گلستان نظم ونثر، (مؤلف) بورڈ آف اسکول ایجوکیشن سری نگر
۲۲۔ کانٹوں میں پھول، باب الاسلام پریس کراچی، ۱۹۵۶ء۔[۲۶]

ان کے متعدد افسانے مختلف رسالوں میں بکھرے ہوئے ہیں اور اب تک کسی مجموعے میں

شامل نہیں ہوئے ان افسانوں کے لیے مندرجہ ذیل رسائل کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔ ماہنامہ آجکل دہلی، نقوش لاہور، نیا دور لکھنؤ، افکار کراچی، شمع نئی دہلی، کھلونا نئی دہلی، کتاب لکھنؤ، زمانہ کان پور، عالمگیر لاہور، نیرنگِ خیال لاہور، ادبِ لطیف لاہور، مست قلندر لاہور، اطلاعات لاہور، نیا ادب لکھنؤ، شاعر آگرہ، نگار لکھنؤ، صبح نو[۲۷]

ان کے بہت سے افسانے آل انڈیا ریڈیو کے دہلی اور لکھنؤ اسٹیشن سے نشر ہوئے، افسانوں کے علاوہ انھوں نے درج ذیل کتابوں پر تبصرے بھی لکھے۔ آلہ دل کا (ناول) از ڈاکٹر احسن، تلاش بہاراں (ناول) از جمیلہ ہاشمی، ایک وائلن سمندر کنارے از کرشن چندر، خدا کی بستی (ناول) شوکت صدیقی، ادب اور نظریہ (تنقیدی مضامین) ناز آل احمد سرور۔[۲۸] انھوں نے یو پی اور جموں کشمیر کے ہائر سیکنڈری کورس کی کتابیں بھی مرتب کی ہیں (انگلستان نظم ونثر) بورڈ آف اسکول ایجوکیشن سری نگر۔[۲۹] ان کے غیر مطبوعہ افسانوں میں، دوسری مس، راج ہٹ، درد بھری ہنسی، پیٹ کی گرمی، شامل ہیں۔ اور غیر مطبوعہ کتابوں میں، کھٹا میٹھا جھوٹ (افسانوں کا مجموعہ)، ہماری اردو شاعری (یہ کتاب انجمن ترقی اردو کراچی سے ''اردو شاعری کا دفاع'' کے عنوان سے شائع ہو چکی ہے)۔[۳۰]

انھوں نے شروع میں یو پی کے مشرقی اضلاع کے سید، پٹھان اور ٹھاکروں کی زندگی کی تصویر کشی کی ہے اور ان کے باہمی تعلقات، ان کا میل جول اور دوسرے نشیب وفراز کی ہو بہو تحریریں ان کے افسانوں میں ملتی ہیں۔[۳۱] ان کی نگاہ دور بین اور دور رس ہے۔ وہ ہمارے سماج اور ہماری زندگی کے تمام مسائل پر نظر رکھتے اور دلچسپی لیتے ہیں۔[۳۲] ان کی جدت کا یہ عالم ہے کہ ان کے قلم سے ''بھوک'' جیسے افسانے کی تخلیق ہوئی۔ بھوک صرف پیٹ ہی کی نہیں بلکہ جنسی بھوک ہے جس نے آج سارے معاشرے میں بڑی بری صورت اختیار کر لی ہے۔ انھوں نے اپنے افسانے ''بھوک'' میں جنسی بھوک کا ذکر کیا ہے۔[۳۳] وہ ایک چابکدست فنکار ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو قدامت کے شکنجوں سے چھڑا کر جدت کی شاہراہوں پر ڈال دیا ہے۔ ان کے طرز ادا اور اسلوب نے افسانے کو اور زیادہ دلکش بنا دیا ہے۔[۳۴]

ان کے افسانے ''آم کا پھل''، کیا کیا جائے اور بھوک حقیقت نگاری کے عمدہ نمونے ہیں۔[۳۵] ان کے افسانے 'رفیق تنہائی، تار بابو اور مے خانہ، قحط بنگال کے پس منظر میں لکھے گئے ہیں۔ ان افسانوں میں ان کا طنزیہ انداز نمایاں نظر آتا ہے۔[۳۶] ان کو زبان و بیان پر بڑی قدرت حاصل ہے۔ کہانی کہنے کا ڈھنگ انھیں خوب آتا ہے۔[۳۷] برف کی سل اور چیل کے انڈے، ان کے کامیاب افسانے ہیں۔[۳۸] انھوں نے اپنا پہلا افسانہ پریم چند کے افسانوی اسلوب کے خلاف لکھا۔[۳۹] ان کے افسانوں کا پہلا دور رومانی و اصلاحی افسانے، دوسرا دور جنسی اور ملکی تعمیر وتشکیل کے افسانے، تیسرا دور حقیقت نگاری اور ترقی پسندی کے رنگ پر مبنی ہے۔[۴۰]

ان کے ابتدائی افسانوں کا محور عورت ہے۔ عورت کا حسن وشباب اس کی عشوہ کاریاں اور عشق

ورومان سے پیدا ہونے والی صد رنگ کیفیات ان کے ابتدائی افسانوں میں بارہا جلوہ دکھاتے ہیں۔[۴۱] رومانیت ان کے ابتدائی افسانوں میں اس قدر غالب ہے کہ وہ معاشرے اور سماج کی برائیوں پر قلم اُٹھاتے وقت بڑے جذباتی بن جاتے ہیں۔[۴۲] رومانی افسانہ نگاروں کی بہ نسبت وہ عشق ومحبت کے باب میں بھی حقیقت پسندانہ رویے سے گریز نہیں کرتے۔[۴۳] ان کے پہلے دور کے افسانوں میں زندگی کے مختلف مظاہر پر عورت کی شخصیت کی گرفت مضبوط ہے۔ خواہ وہ مشرقی اور مغربی تہذیب کی باہمی آویزش کو اپنے افسانے کا موضوع بنائیں یا مسلم معاشرے میں بیوہ کی شادی کے مسئلے کو، یا امیر طبقے کی عیش کوشیوں اور عشرت پسندیوں کو یا بدی کی طاقتوں کے تصادم کو، ان کا رومان ہر جگہ اپنا رنگ دکھاتا ہے۔ اس لیے ان کے اسلوب اور طرزِ فکر دونوں میں شعلے دہکتے رہتے ہیں۔[۴۴]

انھوں نے ترقی پسند تحریک سے ہندو مسلم فرقہ ورانہ منافرت کے خلاف کئی افسانے لکھے تھے جس میں ان کا افسانہ ایک ماں کے دو بچے، اردو کا ایک یادگار افسانہ ہے۔ پھر 'باسی پھول' انسپکٹر کی عید، جیسے مکمل افسانے لکھے جس میں متوسط طبقے کی رومانی کشمکش کا عکس ملتا ہے۔[۴۵] ان کے لکھے ہوئے کچھ افسانے اصلاح پسند جذبات کے عکاس ہیں۔ کچھ پر رومانی عناصر کے ہیں اور کچھ کلاسیکی تہذیبی قدروں کی باقیات کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی خیر وشر کا ایک مبہم سا تصوّر بھی جگہ جگہ نظر آتا ہے۔[۴۶]

عورت کا درجہ ان کے یہاں بہت بلند ہے۔ ماں، بہن، بیٹی اور بیوی کسی بھی روپ میں آئے اکثر قربانی وایثار کی بیٹی، وفا کی دیوی بن کر آتی ہے، جو خاردار کو گلزار بنا سکتی ہے۔ جو صحرا میں گلاب کھلا سکتی ہے، جو بھٹکوں کو راستہ دکھاتی ہے۔ ''نورونار'' اور ''بیوی'' میں اس کا روپ نکھر کر سامنے آتا ہے۔[۴۷] بے باک ہرجائی اور بے وفا عورت بھی ان کی کہانیوں میں آتی ہے مگر فن کار اسے ناانصافی کا شکار ہونے سے بچا لیتا ہے۔[۴۸] 'عدیا تنبولن' اور اس قسم کی چند اور کہانیوں میں انھوں نے عام روش سے ہٹ کر عورت کا ایک روپ دکھایا ہے۔ جو محبوب کی خاطر ہر بدنامی برداشت کر لیتی ہے جو آوارہ ہوتے ہوئے بھی محبت کا شدید جذبہ دل میں رکھتی ہے۔[۴۹] عورت کا تصور، ان کے افسانوں میں المیہ کا اثر پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ [۵۰]

ان کے دردمند دل نے دیہات کی زندگی میں درد وغم کے ان گنت مرقعے تلاش کیے اور ان مین اپنے دل کی تڑپ، کسک اور درد وغم کی تاثیر شامل کر کے دوسروں کو بھی اپنا شریک غم بنایا۔[۵۱] ان کے افسانوں میں ''رفیق تنہائی'' بہو کی ہنسی، سکھی اور بوڑھا اور بالا جہاں ایک طرف دیہات کی معاشرتی اور خانگی زندگی کے مبصرانہ مرقعے ہیں۔ وہاں دوسری طرف فن کے حسن و جمال اور سحر کاری کے بے حد دل نشین نمونے بھی ہیں۔[۵۲] انھوں نے پریم چند کی بنائی ہوئی ڈگر پر چل کر دیہاتوں کے گلی کوچوں میں پہنچنا سیکھا لیکن وہاں پہنچ کر ان کی باریک بین نظر نے ایسے مناظر دیکھے جن تک ابھی پریم چند کی نظر کی بھی رسائی نہیں ہوئی تھی۔ انھوں نے اپنے مشاہدے اور فن کا نچوڑ اپنے افسانوں میں سمو دیا۔[۵۳] وہ اپنی افسانہ

نگاری کے اس ابتدائی دور میں زندگی سے بہت قریب آ کر بھی محبت کے ایک والہانہ اور حد درجہ جذباتی تصور کے ترجمان بنتے ہیں۔(۵۴)

پریم چند کی طرح ان کا تعلق بھی اتر پردیش سے تھا اور ان ہی سے متاثر ہو کر انھوں نے کہانی لکھنے کی ابتدا کی۔ بعد ازاں انھوں نے اپنی الگ ڈگر اختیار کی اور کئی یادگار کہانیاں لکھنے کے ساتھ ساتھ اردو افسانے کی تاریخ میں بھی اہم مقام حاصل کیا۔(۵۵) پریم چند کی طرح انھوں نے بھی اتر پردیش کی دیہی زندگی کی خوشیوں، تکلیفوں، پریشانیوں کو بڑے متاثر کن انداز میں پیش کیا۔(۵۶) ساتھ ہی دیہاتیوں کی سادہ لوحی، بھولے پن، آپس کی لڑائی اور دوستی، دشمنی اور ان کے مسائل کی منظر کشی بڑے خوبصورت اور پرکشش انداز میں کی ہے، جس میں حقیقت پسندی کا رجحان صاف طور پر نظر آتا ہے۔(۵۷) ان کی کہانیوں میں ذات پات کے خلاف آواز اٹھانے کے ساتھ ساتھ پسماندہ اور غریب کسانوں کو جاگیرداروں اور زمینداروں کے ذریعے کیے جانے والے استحصال اور جبر وستم کی بھی مذمت کی گئی ہے۔(۵۸)

انھوں نے جس دور میں کہانی لکھنے کے میدان میں قدم رکھا ان دنوں ان کی کہانیوں کا مرکز عورت تھی۔ دوسرے دور میں انھوں نے ملک وقوم کی ترقی وتعمیر اور جنسیات سے متعلق کہانیاں قلم بند کیں اور تیسرے دور میں حقیقت پسندی اور ترقی پسندی کی راہ پر گامزن ہو گئے۔(۵۹) وہ چونکہ سرکاری ملازم تھے لہٰذا وہ کوئی ایسی بات نہیں کہتے تھے جو گرفت میں آ سکے۔ سبکدوشی کے بعد بھی ان کی کہانیوں میں جو شدت آئی وہ بھی سیاسی نہیں تھی بلکہ ان میں سماجی درد اور کرب تھا اور کچھ کہانیوں میں نفسیات کے اچھے نمونے پائے جاتے ہیں۔(۶۰)

۱۹۲۹ء سے ۱۹۳۰ء میں انھوں نے جتنے افسانے لکھے ہیں ان پر کسی نہ کسی طرح عورت چھائی ہوئی ہے۔(۶۱) ان کے یہاں حقیقت پسندی میں رومانیت اور مثالیت کے گہرے رنگ نمایاں ہیں۔ ان کا حسن بیان ان تینوں روایتوں کے مثال ہے جس کا اندازہ ان کے افسانے میلہ گھومنی، رفیق تنہائی سے کیا جا سکتا ہے۔(۶۲) ان کے افسانوں کا آغاز خالص رومانی انداز سے ہوا۔ جس کی مثال ان کے اولین افسانے ''جذب کامل'' سے دی جا سکتی ہے۔(۶۳) وہ افسانے کی بے باک حقیقتوں کی مثالیں سامنے لاتے ہیں جس کی مثال ان کے افسانوں کے مجموعے ''باسی پھول'' سے دی جا سکتی ہے۔ انھوں نے پریم چند کے کچھ اجزا کو اپنے طور پر برتا۔(۶۴) ظرافت ان کی شگفتگی تحریر کا باعث بنی۔ انھوں نے ہندوستان کے شہر اور دیہات کی اجتماعی تحریکات کو موضوع بنایا۔ جس کی مثال ان کے افسانوں، وکیل اور منشی، میخانہ سے دی جا سکتی ہیں۔(۶۵)

ان کے نفسیات کے بھرپور ادراک کی مثال ان کے افسانے، بوڑھا بالا اور بہو کی ہنسی سے دی جا سکتی ہیں۔(۶۶) کرداروں کے تنوع کی مثالیں ان کے افسانے، بیٹی، اینگلو انڈین لڑکی، بدلہ، انگریز خاتون، حسن رہ گزر، نامعلوم مجبور، سیلاب کی راتیں، پہرے دار سے دی جا سکتی ہیں۔(۶۷) شہر کی خام تصویر کاری

ان کے افسانوں میں بہت ہے۔[۶۸] انھوں نے دیہات کو خاص طور پر اپنے افسانوں کا موضوع بنایا۔[۶۹] ان کے افسانوں میں اجتماعی تحریکات کی پیش کش اور دیہات کی حقیقت نگاری میں رومانیت اور مثالیت کی مثالیں ''میلہ گھومنی'' اور ''سیلاب کی راتیں'' ہیں۔[۷۰] حسینی ترقی پسند تحریک سے وابستہ نہیں تھے مگر ان کی کہانیوں میں ترقی پسندیت کا عنصر غالب تھا۔ وہ زندگی کے مسائل پر گہری نظر رکھتے تھے۔[۷۱] پریم چند کی طرح انھوں نے حقیقت پسندی کو کبھی نظر انداز نہیں کیا، انھوں نے اپنی کہانیوں کے تانے بانے زندگی کے واقعات و حادثات سے بنے اور انھیں اپنے اسلوب نگارش سے اور دلچسپ بنا دیا۔[۷۲] حسینی نے بدلتے ہوئے حالات اور وقت کا ہمیشہ ساتھ دیا اور اس عہد کے مسائل کے پس منظر میں اپنی کہانیوں کو قارئین کے سامنے پیش کیا وہ انسانیت پرست اور اصلاح پسند ادیب تھے۔[۷۳]

> ''اس کے کوٹھے کے سامنے چلمن پڑی تھی لیکن وہ اس کے بوٹے قد، چھریرے بدن اور آفتابی چہرے کو مجھ سے نہ چھپا سکی۔ اس نازک اندام کے جسم پر فالسئی ساری، چست ہلکا گلابی شلوکا اور پیروں میں سیاہ بوٹ تھا اور اس پیکر رعنائی میں عجیب خداداد جذب تھا جو میرے جیسے خشک آدمی کو اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔'' (علی عباس حسینی، باسی پھول (حصہ اوّل ۱۹۱۸ء) مکتبہ اردو، لاہور، ۱۹۴۲ء، ص ۱۱) (افسانہ، باسی پھول، مشمولہ باسی پھول، ص ۱۱)

''باسی پھول'' حصہ اول میں علی عباس حسینی نے ایک ناکام محبت کی داستان بیان کی ہے اور ہندوستان کی ان خاص روایتوں کو طنز کا نشانہ بنایا ہے کہ جن کی وجہ سے کسی لڑکے یا لڑکی کی مرضی کے بغیر اس کا عقد کر دیا جاتا ہے، اس افسانے کی ہیروئن ہر سال اپنے نکاح کے دن اپنے محبوب کو باسی کلی بھیج کر یہ احساس دلاتی ہے کہ اس کے دل میں اپنے محبوب کی محبت کا چراغ آج بھی روشن ہے۔ (باسی پھول: مشمولہ: باسی پھول، ص ۳۱ تا ۵۷) افسانہ ''باسی پھول'' (حصہ دوم) میں علی عباس حسینی نے باسی پھول حصہ اول ہی کی کہانی کو آگے بڑھایا ہے۔ محبوبہ کے شوہر کے انتقال کی صورت میں اس کی جائداد کا مقدمہ لڑتا ہے اور آخر میں اپنی محبوبہ سے شادی کر لیتا ہے۔ (باسی پھول حصہ دوم، مشمولہ: باسی پھول، ص ۳۱ تا ۵۷)

''گونگا ہری'' علی عباس حسینی کا ایک افسانہ ہے جس میں انھوں نے ہندو معاشرے کے ذات پات اور چھوت چھات پر بھرپور انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ کمہار کا شودر بیٹا ہری گونگا ہونے کے باوجود بہترین سنگتراش تھا۔ اسے گاؤں کے ٹھاکر کی بیٹی کے بہترین بت بنانے اور بدنامی کے ڈر سے ٹھاکر نے مار پیٹ کہ گاؤں سے نکال دیا تھا۔ دربدر کی ٹھوکریں کھاتا ہوا ہری شہر کے ایک بہترین سنگتراش کے یہاں پہنچا اور وہاں اپنے فن کا مظاہرہ دکھایا تو اس سنگتراش نے ہری کی خداداد صلاحیت کو پہچان کر اپنا بیٹا بنالیا۔ اسے پڑھایا لکھایا اور اس کے گونگے پن کا علاج کروایا۔ جوان ہونے پر اسے ٹھاکر کی بیٹی ہری کے عشق میں مبتلا ہو گئی۔ بالآخر اندرا نے راجپوتن ہونے کے باوجود شودر ہری کو اپنا کر چھوڑا۔ (گونگا ہری،

مشمولہ باسی پھول، ص ۵۷ تا ۷۴)

علی عباس حسینی کسی کردار کی کردار نگاری میں اس کے حلیے کو بنیادی اہمیت دیتے ہیں جس کا اندازہ ان کے افسانے ''بیوی'' کے اقتباس سے کیا جاسکتا ہے۔

''ڈاکٹر منور خوش فہم بھی تھے اور خوش رو بھی، ستائیس برس کا سن، چڑھتی جوانی، آکسفورڈ کے بی ایس سی لیڈز کے پی ایچ ڈی لندنی فیشن کپڑوں میں، کرزنی وضع چہرے کی اور شوپنہار و ڈارون کے نظریے دل و دماغ میں! پھر اس پر خلیق، خوش گفتار بھی خوش رفتار بھی، جامہ زیب بھی۔'' (بیوی، مشمولہ: باسی پھول، ص ۷۳)

افسانہ ''بیوی'' کا مرکزی کردار عورت کی بابت یہ خیالات رکھتا ہے:

''وہ کہتا عورت ایک مغربی پھول ہے۔ اس سے وقتی مسرت حاصل کرلو اسے گلے کا ہار نہ بناؤ۔ ورنہ یہ نازک پنکھڑیاں کچھ ہی دنوں مین خار مغیلاں بن جائیں گی۔۔۔''

(بیوی، مشمولہ: باسی پھول، ص ۷۸)

افسانہ ''بیوی'' میں مغرب زدہ نوجوان اپنی نکاحی بیوی کو رخصت کرنے پر تیار نہیں ہوتا۔ مگر جب اسے چیچک نکلتی ہے اور وہ انتہائی بدشکل اور اندھا ہو جاتا ہے تب اس کی منکوحہ بیوی اس شخص کے ساتھ خوشی سے زندگی گزارنے پر تیار ہو جاتی ہے۔ اس افسانے میں مصنف نے مشرقی عورت کے ایثار کی عکاسی کی ہے۔ (بیوی، مشمولہ: باسی پھول، ص ۵۷ تا ۹۰)

افسانہ ''ہمسائی'' میں علی عباس حسینی نے ان معاشرتی معیارات کی نشاندہی کی ہے کہ جس کی وجہ سے ایک بیسوا اگر نکاح کر کے شرافت کی زندگی گزارنا چاہے تو بھی شریف لوگ اس کی پارسائی کو قبول کرنے میں معترض ہوتے ہیں۔ (نئی ہمسائی، مشمولہ: باسی پھول، ص ۹۱ تا ۱۱۴)

''عدیا یا تنبولن''، علی عباس حسینی کا اک ایسا افسانہ ہے کہ جس میں انھوں نے عدیا کے کردار کی صورت میں اک ایسی عورت کی عکاسی کی ہے جو محبت کے معاملے میں معاشرتی حد بندیوں کی قائل نہیں ہے۔ (عدیا یا تنبولن، مشمولہ: باسی پھول، ص ۱۱۵ تا ۱۲۸)۔

''کیے کا بھوگ'' نامی افسانے میں علی عباس حسینی نے ایک عیاش راجپوت کا قصہ بیان کیا ہے۔ جس کی طوائف سے ایک بیٹی ہوتی ہے تو وہ اس کے ہاتھوں پر اپنا نام کھدوا دیتا ہے، پندرہ سال بعد ایک پندرہ سالہ طوائف کے ساتھ رات گزارنے کے بعد اسے علم ہوتا ہے کہ وہ اس کی بیٹی ہے تو وہ خود کو ختم کر لیتا ہے بیٹی بھی خود کو گولی مار لیتی ہے (کئے کا بھوگ، مشمولہ: باسی پھول، ص ۱۲۹ تا ۱۳۸)۔

افسانہ ''عدالت'' میں مصنف نے ایک اوباش زمیندار کے بیٹے کا قصہ بیان کیا ہے۔ جو جج بن جاتا ہے، اس کا خاندانی بیٹا اغوا ہو جاتا ہے۔ اور تقریباً بیس سال بعد ایک لڑکے کی چوری کا مقدمہ کی وجہ سے اسے علم ہوتا ہے کہ وہ چور اس کی خاندانی بیوی کا بیٹا ہے جس کی پرورش اس کی ملازمہ نے اس کے

ناجائز بیٹے کے ساتھ کی تھی اور دونوں کی عادت واطوار میں کوئی فرق نہ رہا تھا۔ وہ جج اپنے بیٹوں کو آزاد کر کے خود کو اور اپنی ملازمہ کو گولی مار دیتا ہے (عدالت، مشمولہ: باسی پھول، ص ۱۴۹ تا ۱۵۲)

افسانہ ''شکار یا شکاری'' میں مصنف نے اہیر کی عورتوں کی غربت اور بے بسی کو بیان کیا ہے۔ اور انسان کی بے کسی اور بس بسی کی عمدہ تصویر کشی کی ہے۔ (شکار یا شکاری، مشمولہ: باسی پھول، ص ۱۸۷ تا ۱۹۶) ''خوش قسمت لڑکا'' میں نو سال کے ایک انتہائی غریب اور مفلس لڑکے کی کہانی بیان کی ہے۔ جسے نو سال کی عمر میں ایک اندھے فقیر کے پاس نوکری مل جاتی ہے۔ (خوش قسمت لڑکا، مشمولہ: باسی پھول، ص ۱۹۷ تا ۲۰۱)

مجموعی طور پر اگر علی عباس حسینی کے مجموعے ''باسی پھول'' کے افسانوں کا تنقیدی نظر سے جائزہ لیا جائے تو اس بات کا ادراک ہوتا ہے کہ علی عباس حسینی نے بھی پریم چند، سدرشن، اعظم کریوی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے بھوک، مفلسی، سرمایہ دار طبقے کی بالادستی کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا ہے۔ البتہ ان کے افسانوں کے کچھ نسوانی کردار اپنے اندر اس حد تک سرتال رکھتے ہیں کہ خاموشی کے باوجود ان نسوانی کرداروں کی اندرونی کھنک دور تک سنائی دیتی ہے۔ جیسے باسی پھول کی صابرہ، ہمسائی کی طوائف ہمسائی، عدالت کی بدلیا، عدیا یا تنبولن، کی عدیا، ایسی عورتیں ہیں کہ جن کی نسوانی خدوخال اور سرتال اس قدر نمایاں ہیں کہ اک عام آدمی بھی رک کر انھیں دیکھنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

افسانہ ''ہمارا گاؤں'' میں علی عباس حسینی گاؤں کے عناصر ترکیبی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ گاؤں کے عناصر ترکیبی تین ''گ'' شریک ہیں۔ گوبر، گرد اور گلی۔ گاؤں کے ہر فرد کے پاس مویشی کا ہونا ضروری ہے۔ بیل، گائے، بھینس، بکری جو کاشت کار ہیں ان کے پاس بیلوں کی جوڑی ہوگی جو دولت مند ہیں وہ گائیں، بھینسیں ضرور پالیں گے اور جس کے پاس کچھ نہیں ہوگا وہ بکری کے ذریعے ہی اپنے غم میں اضافہ کرے گا۔'' (افسانہ ''ہمارا گاؤں'' مشمولہ ہمارا گاؤں، اورینٹل پبلشنگ ہاؤس، لکھنؤ، ۱۹۶۵ء، ص ۱۱)

افسانہ ''گاؤں کی لاج'' میں علی عباس حسینی نے دو خاندانی دشمنوں کی کہانی بیان کی ہے۔ ہر وقت دونوں کے مقدمے اور فوجداری چلتی رہتی ہے مگر جب خان صاحب کی بیٹی بارات مہر کی رقم پر معاملہ بگڑنے پر واپس جانے لگتی ہے تو اس وقت گاؤں کی لاج بچانے کے لیے رائے صاحب میدان میں آتے ہیں اور لڑکے والوں کو اس طرح سمجھاتے ہیں کہ وہ لوگ بارات واپس لے جا کر بچپن ہزار مہر پر نکاح کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ یعنی گاؤں کی عزت دوست دشمن سب کے لیے ساجھی ہوتی ہے۔ (گاؤں کی لاج: مشمولہ: ہمارا گاؤں ص ۵۹ تا ۷۳)

''لاٹھی پوجا'' میں علی عباس حسینی نے یورپ کے گاؤں کی عکاسی کے ساتھ ساتھ پوربی بولی کا بھی بھرپور انداز میں استعمال کیا ہے۔ گاؤں کے بہترین لاٹھی باز کے قتل کے بعد اس کی بیوی بے یار و مددگار ہو جاتی ہے تو اس کے شوہر کا دوست آ کر اس کے کھیتوں میں نلائی، اس کے جانوروں کے چرانے کا کام

اور باہر کے دیگر کام شروع کر دیتا ہے تو وہ بیوہ اپنے شوہر کے دوست کے ساتھ اسی طرح پیش آنے لگتی ہے کہ جس طرح ایک ہندوستانی عورت اپنے پتی کے ساتھ پیش آتی ہے۔ (لاٹھی پوجا، مشمولہ: ہمارا گاؤں، ص ۷۵ تا ۹۳)

افسانہ ''بے وقوف'' میں مصنف نے ''ماموں'' کے نئے معنی بتائے ہیں۔

''عجیب موہنی صورت ہے اس لفظ میں سانپ کو بھی ماموں کہہ دو تو نہیں کاٹتا۔ بڑے بڑے ڈاکو بھی یہ خطاب پا کر دام ہو جاتے ہیں۔ اکثر فرقہ ورانہ لڑائیاں اس رشتے کا واسطہ دینے پر بند ہو گئیں اور بیشتر تلواریں اس لفظ کی برکت سے اٹھے ہوئے ہاتھوں سے چھوٹ کر گر گئیں۔'' (افسانہ، بے وقوف: مشمولہ: ہمارا گاؤں، ص ۱۰۵ تا ۱۰۶)

افسانہ ''نوری و ناری'' میں مسجد کے امام اپنے داماد کا جنازہ پڑھانے سے اس لیے انکار کر دیتے ہیں کہ ان کا داماد شرابی، جواری اور زانی بھی ہوتا ہے مگر وہ جب اپنی مری ہوئی بیٹی کی ڈائری پڑھتے ہیں تو اس بات کا ادراک ہوتا ہے کہ آخری وقت میں ان کی بیٹی اور داماد ایک دوسرے کے عشق میں مبتلا ہو گئے تھے اور ان کے داماد کو دق بھی ان کی بیٹی سے ہی لگی تھی۔ بہر حال آخر میں امام مسجد افسوس کے ساتھ اپنے داماد کا جنازہ پڑھانے لے جاتے ہیں۔ (نوری و ناری، مشمولہ: ہمارا گاؤں، ص ۱۲۳ تا ۱۴۶)

افسانہ ''دودا'' کے عبدالودود خان کی شخصیت علی عباس حسینی نے ان الفاظ میں بیان کی ہے:

''اصل میں ان کا نام عبدالودود تھا۔ وہ بزرگوں کے ماموں اور بچوں کے دادا تھے۔ لڑکوں نے ان کے نام ور شتے میں قطع برید کی اور وہ عبدالودود دادا سے دودا ہو کر رہ گئے۔ فطرت نے ان کے معاملے میں تحریف سے کام لیا تھا۔ ان کی قامت بلند پانچ فٹ سے بھی کم ہی تھی۔ اس پر دبلے پتلے اتنے کہ معلوم ہوتا اکہری ہڈی کا چلتا پھرتا ڈھانچہ ہے۔ چھوٹے چھوٹے سے ہاتھ پاؤں پتلی سی گردن، بڑا سا سر، ایسا معلوم ہوتا جیسے سہری کی چھڑ میں کسی نے مراد آبادی تربوز ٹھونس کر کھڑا کر دیا ہے۔'' (افسانہ ''دودا'' مشمول: ہمارا گاؤں، ص ۱۴۹)

''پوتر سیندور'' میں حسینی نے ایک ہندو گھرانے پر زمیندار کے ہونے والے ظلم وستم بیان کرتے ہوئے دکھایا ہے کہ ایک ہندوستانی عورت کے لیے اپنے دیس کی مٹی سے زیادہ پاک سیندور کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ (پوتر سیندور، مشمولہ: ہمارا گاؤں، ص ۱۹۲ تا ۲۰۲)

افسانہ ''جل پری'' میں حسینی نے ایک غیر معمولی عشق کی داستان بیان کی ہے۔ محلول میں پلنے والا شہزادہ، شہزادیوں کے نہانے کے گھاٹ پر ایک بنجارن کو نہاتے دیکھ کر اس کے عشق میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور اس کے عشق میں بے پناہ کشٹ اٹھاتا ہے بالآخر بنجارن کی موت کے بعد اس کی قبر کا مجاور بن جاتا ہے۔ (جل پری، مشمولہ: ہمارا گاؤں، ص ۲۰۳ تا ۲۰۷)

افسانہ ''حاجی بابا'' میں ٹھاکر کا ناجائز بیٹا، جو ایک مسلمان ملازمہ کے بطن سے پیدا ہوتا ہے دو

اور دو چار کے چکر میں زندگی گزار کر کافی پیسہ جمع کر لیتا ہے مگر بیوی اور جوان بیٹے کی آگ میں جھلنے سے وہ ذہنی توازن کھو بیٹھتا ہے اور لوگ اس سے دعائیں کروانے آنے لگتے ہیں۔ وہ شخص جس پر تھوک دیتا ہے اس کی مراد پوری ہو جاتی ہے۔ (حاجی بابا، مشمولہ: ہمارا گاؤں، ص، ۱۶۴ تا ۱۹۰)

افسانہ ''حاجی بابا'' میں بلاقن اک ایسی عورت کا کردار ہے کہ جو چوکیدار کی بیوی ہونے کے باوجود ٹھاکر کے پہلو میں لیٹنا اور اس کی جنسی تسکین کے لیے اپنی عصمت کو داؤ پر لگانا اپنا فرض تصور کرتی ہے اسے معاشرے کے نام نہاد لوگوں کی انگلیاں اٹھنے یا اپنے شوہر کی ناراضگی کی کوئی پروانہیں۔

افسانہ ''آئی سی ایس'' میں علی عباس حسینی نے ایک دیہاتی لڑکے کی کہانی بیان کی ہے جو آئی سی ایس پاس کرنے کے بعد آکسفورڈ کی گریجویٹ لڑکی سے شادی کر لیتا ہے اور اپنے دیہاتی ماں باپ اور بہن بھائی سے بے پروا ہو جاتا ہے نہ خود ملتا ہے اور نہ بیوی کو ملوانے لے جاتا ہے۔ ساس مجبور ہو کر بہو کو خط لکھتی ہیں تو وہ لڑکا بیوی کے مجبور کرنے پر اسے ماں باپ سے ملوانے لے جاتا ہے۔ جہاں آکسفورڈ کی تعلیم یافتہ بہو برقعے میں جاتی ہے اور گاؤں کے رسم ورواج کی پابندی کے ساتھ تمام سسرالیوں کو بے شمار تحفے تحائف بھی پیش کرتی ہے۔ وہ لڑکا گاؤں جا کر یہ بھول جاتا ہے کہ وہ آئی ایس آئی ہے اور تمام مزدوروں والے کام بیوی کے سامنے انجام دے کر دکھاتا ہے۔ بیوی خاموشی سے اپنے کمرے میں چلی جاتی ہے وہ نادم بیوی کے پیچھے جا کر کہتا ہے کہ تم نے ایک دیہاتی سے شادی کی ہے تو بیوی خوش ہو کر جواب دیتی ہے کہ نہیں میں نے ایک مرد سے شادی کی ہے۔ (افسانہ، آئی ایس آئی، مشمولہ: کلیات علی عباس حسینی، ص ۴۱ تا ۵۲)

افسانہ ''اپریل فول'' میں حسینی نے مغرب کی اندھا دھند تقلید اور اپریل فول کے نتیجے میں ہونے والے ہولناک نتائج سے آگاہ کیا ہے۔ کالج کے دو لڑکے اپریل فول منانے کے لیے، پرنسپل کی سرکولر بک پر یہ لکھ دیتے ہیں کہ آج تیسرے گھنٹے کے بعد تمام طلبہ واساتذہ پنڈال میں جمع ہو جائیں پرنسپل خطاب کریں گے۔ کاغذ کے کونے میں باریک سا اپریل فول لکھا ہوتا ہے۔ جب سب پنڈال میں جمع ہو کر پرنسپل کا انتظار کرتے ہیں تو وائس پرنسپل کے ذریعے پرنسپل کو علم ہوتا ہے کہ ان کی سرکولر بک پر کسی نے یہ کارروائی کی ہے۔ وہ پنڈال میں جا کر اپریل فول سے متعلق ایک ایسی عبرت انگیز کہانی سناتے ہیں کہ جس کی بدولت دو جانیں ہلاکت کا شکار ہو جاتی ہیں۔ ان کی عبرت انگیز کہانی کے طفیل کالج کے وہ دونوں لڑکے اپنا جرم قبول کر لیتے ہیں اور آئندہ اپریل فول منانے سے ثابت ہو جاتے ہیں۔ (افسانہ: اپریل فول، مشمولہ: کلیات علی عباس حسینی، ص ۵۳ تا ۶۶)

خاندان اور معاشرتی دباؤ کی عکاسی حسینی اپنے افسانے ''اندھیرا اجالا'' میں ان الفاظ میں کرتے ہیں۔ ''مگر اس کے داخلے سے ہی خاندان بھر میں غصہ کی لہر دوڑ گئی تھی ساری بڑی بوڑھیاں چڑیلوں کی طرح منمنانے لگی تھیں ''لو، کنبے کی ناک کٹ گئی! چودھری کی لونڈیا بھی پٹے کٹائے، ٹانگ

کھولے پھرنے لگی!'' (افسانہ: اندھیرا اجالا ،مشمولہ: کلیات علی عباس حسینی ،ص ۶۸)

افسانہ'' اندھیرا۔ اجالا'' میں حسینی نے ایک تعلیم یافتہ اور سخت دل عورت کی کہانی بیان کی ہے جس کا اپنا بیٹا ایک حادثے میں انتقال کر جاتا ہے جب اس کی سوکن کا بیٹا، سوکن کی والدہ اس کے پاس چھوڑ جاتی ہیں تو پہلے وہ سنپولیا لگتا ہے۔ مگر بعد میں اس بچے کی معصومیت سے اس شقی القلب عورت کی مامتا جاگ اٹھتی ہے۔ اور وہ اس بچے کو اپنانے پر تیار ہو جاتی ہے۔ (افسانہ: اندھیرا۔ اجالا، مشمولہ: کلیات علی عباس حسینی ،ص ۶۷ تا ۷۴)

''ایک حمام میں'' حسینی کا ایک حقیقت پسندانہ افسانہ ہے۔ جس میں انھوں نے میت کو غسل دینے والے غسال کی کہانی بیان کی ہے کہ وہ اپنی ماں کی موت پر اس کی میت کو غسل دلوانے حمام میں آتا ہے۔ اس بچے کے آگے پیچھے کوئی نہیں ہوتا۔ اس لیے حمام کا غسال اس کو اپنے پاس رکھ لیتا ہے اور میت نہلانے کی بہترین تربیت کرتا ہے۔ حمام کا مالک ایک وبائی مرض میں آئی ہوئی میت کو نہلا کر موت کا شکار ہو جاتا ہے تو حمام اس کی ملکیت ہو جاتا ہے۔ حمام میں عورتوں کی میت نہلانے والی عورت جو اس لڑکے سے پندرہ سال بڑی ہوتی ہے۔ اس کو بہلا پھسلا کر نکاح کر لیتی ہے۔ اس سے دو بیٹے بھی ہو جاتے ہیں اور یہ لوگ شہر کے امیروں میں شمار ہونے لگتے ہیں۔ غسال کا کام چھوڑ دیتے ہیں مگر بیوی کے اچانک انتقال پر اور کاروبار میں نقصان پر اس شخص کو دوبارہ حمام کے قریب موجود اپنے گھر میں منتقل ہونا پڑتا ہے اور وہاں اس کی شادی اپنے سے بیس برس چھوٹی کم عمر لڑکی سے ہو جاتی ہے اور وہ شخص حمام میں اور اس کے ارد گرد ہی سکون واطمینان محسوس کرتا ہے۔ (افسانہ: ایک حمام میں: مشمولہ: کلیات علی عباس حسینی ،ص ۷۵ تا ۹۳)

> '' کچھ لوگ فطری طور پر ننگے ہوتے ہیں۔ کچھ کو تربیت اور ماحول ننگا بناتے ہیں۔ کچھ کو اپنے پیشے کے باعث ننگا بن جانا پڑتا ہے۔ منجھو کچھ اسی قسم کا ننگا تھا۔ کام ہی ایسا تھا کہ بغیر ننگا بنے، ننگا کیے اور ننگا بنائے، انجام ہی نہ پاتا تھا۔ منجھو غسال تھا۔ نہ جانے کیسے کیسے مردوں کو اس نے نہلایا کفنایا تھا۔ یہ مردے ہر سن وسال کے ہوتے تھے۔ بچے لڑکے، جوان، ڈھلی عمر والے، بوڑھے کھوسٹ، ایسے بھی جو غنچہ ناشگفتہ کی طرح باد سموم کے ایک جھونکے میں مرجھا گئے۔ ایسے بھی جو ادھ کھلے پھول بن کر سوکھ گئے۔'' (افسانہ: ایک حمام میں، مشمولہ: کلیات علی عباس حسینی ،ص ۷۵)

''ایک عورت ہزار جلوے'' میں ۶۱ سال کے مرد سے ایک کم عمر عورت کے بیاہنے اور اس عورت کے ہر طرح کے جنسی مظالم سہنے کی داستان بیان کی گئی ہے جب اس عورت کی پندرہ برس کی بیٹی کو پچپن برس کے مرد سے بیاہا جاتا ہے تو وہ احتجاجاً گھر چھوڑ کر چلی جاتی ہے۔ اس کا شوہر فالج کا شکار ہو جاتا ہے تو اپنی بیٹی کے مجبور کرنے پر دوبارہ اس بوڑھے کھوسٹ آدمی کی خدمت کرنے آ جاتی ہے۔ کہ چلو چند برس مشکل کے اور سہی۔ (افسانہ: ایک عورت ہزار جلوے، مشمولہ: کلیات علی عباس حسینی ،ص ۹۴ تا ۱۰۶)

''ایک ماں کے دو بچے''میں کلکتے میں ہندو مسلم فساد کے نتیجے میں ہندو مسلم گھرانوں میں مخالف مذہب کی جانب سے ہونے والی قتل و غارت گری کو موضوع بنایا ہے۔ مذہب کی بنیاد پر ہونے والے ان فسادات میں ایک مسلمان اپنی جوان بیٹی، جوان بیٹے اور جوان داماد کو کھو دیتا ہے۔ مگر اس کا دو دن کا نواسہ دودھ کے لیے بلک بلک کر روتا ہے تو اس کی خاطر دودھ لینے کے لیے دکان تک جاتا ہے جہاں ایک ہندو اس پر قاتلانہ حملے کے لیے چھرا لے کر مارنے کے لیے تیار ہوتا ہے۔ مگر مسلمان کی درخواست پر اس کی کہانی سن کر آبدیدہ ہو جاتا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ اس کے جوان بیٹے کو بھی کسی مسلمان نے قتل کر دیا ہے۔ بیوہ بہو چھ ماہ کے بچے کے ساتھ غم سے نڈھال ہے۔ ہندو مسلمان کو اپنے گھر لے جا کر مسلمان کے نواسے کو اپنی بہو کی گود میں دے دیتا ہے جبکہ مسلمان، اپنے بیٹے اور بیٹی کی میت کی تدفین کے لیے مسلم ہوٹل روانہ ہو جاتا ہے۔ (افسانہ: ایک ماں کے دو بچے، مشمولہ: کلیات علی عباس حسینی، ص ۱۰۷ تا ۱۱۳)

افسانہ ''بٹی''ایک انگریز لڑکی کی داستان ہے جو اپنی ہم عمر لڑکیوں سے اس حوالے سے مختلف ہے کہ اس کا کوئی بوائے فرینڈ نہیں۔ مگر ایک سفر کے دوران اور ہندوستانی لوگوں اور کلچر کے ڈر سے وہ الٰہ آباد جاتے ہوئے ٹرین میں ایک فوجی سے ملتی ہے اور رات دیر سے الٰہ آباد پہنچنے اور سواری نہ ملنے کی صورت اور کچھ اپنی جوانی سے مغلوب ہو کر اس فوجی کے ساتھ رات گزارنے ہوٹل چلی جاتی ہے۔

(افسانہ: بٹی: مشمولہ: کلیات علی عباس حسینی، ص ۱۱۴ تا ۱۲۶)

''بدلہ''علی عباس حسینی کا ایک ایسا افسانہ ہے جس میں انھوں نے ایک انگریز میم کا قصہ بیان کیا ہے جسے سردی میں اس کا شوہر اسٹیشن پر چھوڑ کر چلا جاتا ہے تو وہ اپنے شوہر سے بدلہ لینے کے لیے چھ راتیں ایک خان صاحب کے ساتھ اس لیے گزارتی ہے کہ اس رات سردی سے بچنے کے لیے خان صاحب نے اسے دو کمبل عنایت کیے ہوتے ہیں۔ (افسانہ: بدلہ، مشمولہ: کلیات علی عباس حسینی، ص ۱۳۴ تا ۱۴۶)

''بھکاری''میں ایک شخص اندھے، اپاہج، بھکاری کو غیرت دلانے کی کوشش کرتا ہے تو وہ بھکاری پل پر سے دریا میں کود کر جان دے دیتا ہے اور غیرت دلانے والا شخص سوچتا ہے کہ یہ قوم ترقی ضرور کرے گی کیونکہ اس میں کچھ غیرت باقی ہے۔ (افسانہ: بھکاری، مشمولہ: کلیات علی عباس حسینی، ص ۱۴۷ تا ۱۵۲)

''بیگار''میں حسینی نے کمتر ذات کے ہندوؤں کی کہانی بیان کی ہے جو گورکن ہیں۔ زمینداروں میں اگر کسی کی موت ہو جائے تو ان گورکنوں سے بیگار لینا، موسم کا لحاظ نہ کرنا، سردی، گرمی اور بارش کا لحاظ نہ کرنا مالکوں کی عادت ہے۔ (افسانہ: بیگار، مشمولہ: کلیات علی عباس حسینی، ص ۱۵۳ تا ۱۶۰)

''پہریدار''میں حسینی نے ایک ایسے شخص کی کہانی بیان کی ہے جس کی بیوی محبوب کو شوہر بناتی ہے تو پھر اسے کمانے سے منع کر دیتی ہے کہ کہیں دوسری عورتیں اس کے شوہر کو نہ دیکھیں مگر ہر روز اس کو ڈانٹ پھٹکار کرنا بھی اس کی بیوی کی عادت بن جاتی ہے۔ شوہر فرضی نام سے افسانے، کہانیاں اور ناول

لکھ کر مشہور ہو جاتا ہے۔ جب بیوی کو اس بات کا علم ہوتا ہے تو وہ بہت غصہ کرتی ہے۔ مگر یہ جان کر کہ وہ ماہانہ اچھا خاصہ کما تا ہے بیوی کی ٹون بدل جاتی ہے اور وہ شوہر کے آگے پیچھے پھرنے لگتی ہے۔ (افسانہ: پہریدار، مشمولہ: کلیاتِ علی عباس حسینی، ص ۱۹۸ تا ۲۰۳)

''پیاسا'' میں حسینی نے ایک ایسے نوجوان کی کہانی بیان کی ہے جسے شروع میں مذہبی تربیت دی گئی با شرع بنایا گیا۔ مگر ایک حسین اور نوجوان عورت کے حنائی ہاتھ دیکھ کر وہ مفتی سے مجرم بن گیا۔ حوالات کی سیر کر کے جب وہ جوان باہر نکلا تو اس نے اپنے دوست سے مطالبہ کیا کہ مجھے کنویں کے پاس لے چلو اور جب وہ کسی عورت سے خلوت میں مل کر نکلا تو اس نوجوان کے چہرے کی اصلی چمک اور قہقہے کی بلندی واپس مل چلی تھی۔ (افسانہ: پیاسا، مشمولہ: کلیاتِ علی عباس حسینی، ص ۲۰۴ تا ۲۰۷)

''جذب کامل'' میں حسینی نے ہندو سماج میں رہنے والے ایک مرد اور عورت کی محبت کی کہانی بیان کی ہے۔ عورت ابتدا میں اس آدمی کی محبت کو دیگر مردوں کی طرح ہوس سمجھ کر ٹھکرا دیتی ہے مگر وہ مرد جذب کامل سے اس حسین عورت کے عشق میں مبتلا رہتا ہے۔ بالآخر وہ عورت اس مرد کی محبت کو قبولیت کا درجہ دے دیتی ہے۔ (افسانہ ''جذب کامل''، مشمولہ: کلیاتِ علی عباس حسینی، ص ۲۰۸ تا ۲۲۳)

''جن کا سایہ'' میں کزن میرج کو موضوع بنایا ہے۔ ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ لڑکا اپنی کم عمر کزن سے شادی سے انکار کر دیتا ہے تو اس کا دوست اس کزن سے بغیر دیکھے نکاح کر لیتا ہے۔ مگر نکاح کی تقریب کے دوران اپنی کزن کو دیکھ کر اس لڑکے کو بار ہا اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے کہ اس سے جلد بازی میں غلطی ہو گئی۔ اسی دوران لڑکی کو ہسٹریا کے دورے پڑنے لگتے ہیں۔ لڑکے کا دوست لڑکی کو طلاق دے دیتا ہے اور لڑکا اپنی کزن سے شادی کر کے ہنسی خوشی رہنے لگتا ہے۔ بعد میں دوست کا خط لڑکی کے نام آتا ہے کہ اس نے یہ ڈرامہ محض اس لڑکے کے اندر، کزن لڑکی کی محبت جگانے کے لیے کہا تھا۔ (افسانہ ''جن کا سایہ'' مشمولہ: کلیاتِ علی عباس حسینی، ص ۲۷۱ تا ۲۸۱)

''جھبو کا ہیرو'' میں علی عباس حسینی نے زمیندار کے ایک پیادے کے ذریعے زمینداری کے داؤ پیچ بتائے ہیں۔ (افسانہ ''جھبو کا ہیرو''، مشمولہ: کلیاتِ علی عباس حسینی، ص ۲۸۲ تا ۲۸۹)

''حسن رہ گزر'' میں حسینی نے ٹرین میں سفر کرنے والی انتہائی حسین و خوبصورت عورت اور اس کے ساتھ سفر کرنے والے عمر رسیدہ مرد کو موضوع بنایا ہے۔ جو بیوی، بچوں اور ملازمہ اور مصنف کی موجودگی میں اٹھارہ برس کی حسین و خوبصورت، طرحدار لڑکی سے ہر طرح سے لطف اندوز ہوتا ہے۔

(افسانہ ''حسن رہ گزر''، مشمولہ: کلیاتِ علی عباس حسینی، ص ۳۰۹ تا ۳۱۸)

''خالی گود'' میں ایک ہندوستانی بے اولاد، کم عمر عورت کو موضوع بنایا ہے جس کا شوہر عمر رسیدہ ہے اور وہ ملازمہ کے کم عمر بھائی کی طرف ملتفت ہو جاتی ہے اور گود بھرائی کی مختلف یاتراؤں کے لیے ملازمہ کے بھائی کو لے جانے پر بضد ہوتی ہے۔ (افسانہ ''خالی گود''، مشمولہ: کلیاتِ علی عباس حسینی، ص ۳۱۹

تا ۲۲۵)

''دیہاتی''میں ایک پڑھے لکھے دیہاتی نوجوان کی ایک انگریز عورت اور شہری نوجوان کے ذریعے بے وقوف بننے کی داستان بیان کی ہے۔اس نوجوان کے دیہاتی منہ بولے ماموں، اس نوجوان کو اس انگریز عورت کے دھوکے سے نجات دلاتے ہیں۔ پہلے جو وہ اپنے دیہاتی ہونے پر شرمندگی محسوس کرتا ہے۔اس واقعے کے بعد وہ شرمندگی زائل ہوجاتی ہے۔(افسانہ''دیہاتی''مشمولہ: کلیات علی عباس حسینی،ص ۳۳۸تا۳۵۶)

''طمانچہ''میں حسینی نے مغربی تہذیب کے تحت پرورش پانے والی ہندوستانی لڑکی اور اس کے والدین کی کہانی بیان کی ہے۔مغربی تعلیم حاصل کرنے والی لڑکی ماں باپ کا گھر چھوڑ کر چلی جاتی ہے اور ناجائز بچے کو جنم دیتی۔اس لڑکی کی والدہ اپنے شوہر کو چھوڑ کر اپنی بیٹی کے پاس چلی جاتی ہیں اور اس کے ناجائز بچے کی پرورش کرتی ہیں جب کہ وہ لڑکی خود نرس بن جاتی ہے۔اس افسانے میں مصنف نے عورتوں کی حد سے زیادہ آزادی اور مغربی تعلیم کے منفی اثرات کا نقشہ کھینچا ہے۔

(افسانہ''طمانچہ''مشمولہ: کلیات علی عباس حسینی ص ۳۶۸ تا ۳۹۲)

''عزت''میں لکھنؤ کے ایک کوچوان کی کہانی بیان کی ہے جو پولیس والوں اور دیگر لوگوں سے اپنی عزت بچا کر سکون کی زندگی گزارنے پر کمر بستہ ہے۔

(افسانہ''عزت''مشمولہ: کلیات علی عباس حسینی،ص ۳۹۳ تا ۴۰۰)

''عمل خیر''میں حسینی نے ایک مولوی کی کہانی بیان کی ہے جو دولت کی خاطر اپنے کم سن بیٹوں کی شادی دو بڑی عمر کی صاحب جائیداد بہنوں سے کر دیتا ہے اور انھیں حج پر لے جانے کا جھانسہ دیتا ہے۔مگر اسی دوران ان خواتین کا بھانجا، جو جائیداد کا اکلوتا وارث بھی ہے آ کر مولوی صاحب سے بندوق کے زور پر طلاق کہلوا لیتا ہے۔مگر حج پر جاتے ہوئے مولوی صاحب ایک خط بھانجے کے نام چھوڑے جاتے ہیں کہ نابالغ کی طرف سے ولی نکاح پڑھ سکتا ہے۔طلاق نہیں دے سکتا۔میں حج سے واپسی کے بعد عدالتی چارہ جوئی کے بعد ان کو رخصت کراؤں گا اور ایک ایک پیسے کا آپ سے حساب لوں گا۔خط دیکھ کر بھانجے کے دوست نے یہ کہا کہ آپ نے ایک مولوی سے ٹکر لی ہے۔بس اب نہ یہاں چین ہے نہ وہاں۔(افسانہ عمل خیر،مشمولہ: کلیات علی عباس حسینی،ص ۴۰۱ تا ۴۱۲)

''عید پیچھے ٹڑ''میں حسینی نے ایک بچے کے عید گاہ سے کھونے اور بعد میں ایک میلے میں ملنے کی داستان بیان کی ہے۔(افسانہ''عید پیچھے ٹڑ''مشمولہ: کلیات علی عباس حسینی،ص ۴۱۲ تا ۴۱۷)

''کانٹوں میں پھل''میں ایک غریب کسان کی کہانی بیان کی ہے جو اپنی منگیتر سے شادی کے لیے فیکٹری میں مزدوری اختیار کر لیتا ہے۔شہر جا کر پڑھتا لکھتا ہے اور جب واپس آتا ہے تو اس کی منگیتر، اس کی تین بیگھے زمین پر ٹریکٹر چلوا کر اسے آباد کر چکی ہوتی ہے اور اس کے گھر کی جگہ ایک اسکول بنا کر

وہیں رہنے لگتی ہے۔ سات سال بعد جب وہ واپس آتا ہے تو اپنی زمین اور گھر پر قبضہ دیکھ کر بہت غصہ ہوتا ہے۔ مگر جب یہ علم ہوتا ہے کہ زمین کی آمدنی اس کے نام سے بینک میں جمع ہو رہی ہے تو ہنسی خوشی اپنی محبوب منگیتر سے شادی کر لیتا ہے۔ (افسانہ: کانٹوں کا پھل، مشمولہ: کلیات علی عباس حسینی، ص ۴۱۸ تا ۴۲۵)

''کچھ لالہ وگل''، میں حسینی نے ایک ایسی لڑکی کی کہانی بیان کی ہے جو غریب گھر سے تعلق رکھنے کے باوجود ایم ایس سی کرتی ہے اور سائنس کی نئی دریافتوں میں مشغول ہو جاتی ہے۔ اس کی زندگی کے منصوبے میں کہیں شادی نہیں ہوتی۔ مگر اپنی سہیلی کی شادی میں پہلی نظر کی محبت کا شکار ہو جاتی ہے اور اس شخص سے شادی کا اقرار کر لیتی ہے۔ (افسانہ ''کچھ لالہ وگل''، مشمولہ: کلیات علی عباس حسینی، ص ۴۲۶ تا ۴۳۹)

''کفن''، میں حسینی نے گاؤں میں مرنے والے باپ کے لیے، ایک بیٹا عمدہ کپڑے کا کفن لینے شہر جاتا ہے تو اسے کئی سرکاری دفتروں کے دھکے کھانے پڑتے ہیں۔ رات بھر تحصیلدار سے اجازت لکھوانے کے لیے انتظار کرنا پڑتا ہے۔ دوسری شام وہ کفن لے کر پلٹتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ باپ کو گاڑھے کا کفن دے کر دفن کر دیا ہے اور بھائی چھالٹین کے مہنگے کپڑے کو فوراً سنبھالتا ہے کہ نجانے کتنا مہنگا یہ کپڑا آیا ہوگا۔ (افسانہ ''کفن''، مشمولہ: کلیات علی عباس حسینی، ص ۴۴۰ تا ۴۴۹)

''کلی''، میں حسینی نے ہندو گھرانے کی دو بہنوں کی کہانی بیان کی ہے۔ چھوٹی بہن، بڑی بہن کے شوہر کے عشق میں مبتلا ہو جاتی ہے اور بہنوئی بھی بیوی سے زیادہ سالی کو چاہنے لگتا ہے تو باوجود مذہبی آزادی کے، بڑی بہن گھر چھوڑ کر چلی جاتی ہے تاکہ اس کا شوہر اس کی بہن سے شادی کر لے۔ بہنوئی سالی کو کلی کلی کہہ کر بلاتے ہیں مگر بہنوئی سے شادی سے قبل ہی وہ کسی مرد کے ہاتھوں پھول بن جاتی ہے۔ (افسانہ ''کلی''، مشمولہ: کلیات علی عباس حسینی، ص)

''کھیت'' ہندوستانی گاؤں کے مسائل کی عکاسی کرتا ہے۔ ایک کسان دشمنی میں دوسرے کسان کی تیار فصل کو آگ لگا دیتا ہے۔ جس کے نتیجے میں اسے بھگتان بھگتنا پڑتا ہے اور اس کے اپنے کھیت برسات میں ہل چلانے اور بونے سے رہ جاتے ہیں۔ مگر پھر اس کا دشمن اس کی بیوی بچوں کا خیال کر کے اس کے کھیت میں ہل چلاتا ہے۔ (کھیت، مشمولہ: کلیات علی عباس حسینی، ص ۴۶۸ تا ۴۷۶)

''کپڑا''، میں ایک ترسے ہوئے نوجوان کی کہانی بیان کی ہے جو عورت اور جنس کا ترسا ہوا ہے اور ایک کیبن میں لگی ہوئی ایک فلمی اشتہار کی تصویر دیکھتے ہوئے روڈ کراس کرتا ہے اور روڈ ایکسیڈنٹ میں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ (کپڑا، مشمولہ: کلیات علی عباس حسینی، ص ۴۷۷ تا ۴۸۰)

''گناہ بے لذت''، میں ایک مسافر نے اپنی بیوی کی قیمتی شال ایک پاگل عورت اور اس کے سردی سے اکڑتے ہوئے بچے پر ڈال دیتا ہے مگر جب وہ دوسرے دن پگلی کو دیکھنے اس جگہ جاتا ہے تو پتہ چلا کہ پگلی اور اس بچے کی لاش سردی سے اکڑ گئی ہے۔ میونسپلٹی والے اسے اٹھا کر لے جا رہے ہیں اور اس کی بیوی کی قیمتی چادر کا دور دور تک پتا نہیں ہے۔ (گناہ بے لذت، مشمولہ: کلیات علی عباس حسینی، ص ۴۹۱ تا

۴۹۹)

''مصنف''میں حسینی نے ایک غریب چھ بچوں کے مصنف باپ کی کہانی بیان کی ہے جسے کوئی لکھنے کے لیے ایک لمحہ بھی سکون کا میسر نہیں آ تا۔ پھر بھی اس کے تخیلات کی دنیا بے حد حسین ہے۔

(مصنف: مشمولہ: کلیات علی عباس حسینی، ص ۵۱۳ تا ۵۱۸)

''میاؤں میاؤں''میں مصنف نے یہ خیال پیش کیا ہے کہ ہر طاقتور اپنے سے کمزور کو نگلنے کی تیاری میں مصروف رہتا ہے۔(میاؤں میاؤں، مشمولہ: کلیات علی عباس حسینی، ص۵۱۹ تا ۵۲۷)

''میخانہ''میں علی عباس حسینی نے ہندو معاشرے میں قائم عورتوں کے آشرم اور ان کے بیوپار کی عکاسی کی ہے کہ کس طرح ایک سیٹھ فلاحی کاموں کا سہارا لے کر کالے کاموں سے ایک کے چار پیسے بنالیتا ہے۔(افسانہ، میخانہ، مشمولہ: کلیات علی عباس حسینی ۵۲۸ تا ۵۳۱)

''میلہ گھومنی''علی عباس حسینی کا نمایاں افسانہ ہے جس میں انھوں نے جنس کے بے لگام گھوڑے پر سوار دو مردوں اور ایک عورت کی کہانی بیان کی ہے۔ چنوں، منوں جو جنسی اعتبار سے بے حد طاقتور تھے۔ منوں کا نکاح بنجارن سے ہوا تو ہر وقت جنسی بیوپار کے نتیجے میں منوں نشے کا شکار ہوا پھر اس کی کمر جھک گئی بالآخر اس مرض میں اس کا انتقال ہو گیا۔ بڑے بھائی کی بیوی چار بچے چھوڑ کر مری تو چنوں بھی ماں کے گھر آ گیا جہاں بنجارن بھاوج نے ایسا دل بہلایا کہ چنوں نے مولوی صاحب کے منع کرنے پر اس کی مانگ میں سیندور بھر کر اسے اپنالیا۔ مگر چند مہینے میں جنس کے ہر وقت کے کھیل نے اسے بھی لاغر اور کمزور کر دیا اور وہ اپنی بنجارن بیوی سے یہ کہہ کر مرا کہ تمھیں اب کون خوش رکھے گا۔ بنجارن چنوں کے انتقال کے تیسرے روز ایک جوان کسان کے ساتھ کمبھ کا میلا دیکھنے الٰہ آباد چلی گئی۔

(افسانہ: میلہ گھومنی، مشمولہ: کلیات علی عباس حسینی، ص ۵۳۲ تا ۵۳۷)

''نبی بخش''میں حسینی کے گھر کے پرانے نمک خوار نوکر کی کہانی بیان کی ہے جس کے بغیر گھر والوں کا گزارا مشکل ہو جاتا ہے۔(نبی بخش، مشمولہ: کلیات علی عباس حسینی، ص۵۳۸ تا ۵۴۴)

''وکیل اور منشی''میں حسینی نے ایک حالات کے مارے ہوئے وکیل کی کہانی بیان کی ہے۔ جس کا منشی اپنے کامیاب وکیل بنانے کے لیے ہر جائز اور ناجائز حربہ استعمال کرتا ہے۔

(وکیل اور منشی: مشمولہ: کلیات علی عباس حسینی، ص ۵۶۰ تا ۵۶۶)

''ولی عہد بہادر''میں ریاست کے ولی عہد ایک فلمی ایکٹریس کی اداؤں کا شکار ہو جاتے ہیں اور جب اس سے ملنے کے لیے رابطہ کرتے ہیں تو علم ہوتا ہے کہ دل آرام، عورت نہیں بلکہ رام دلار نامی آدمی یا ہیجڑا ہے۔(ولی عہد بہادر، مشمولہ: کلیات علی عباس حسینی، ص ۵۶۷ تا ۵۷۰)

''ہمارا گھر''میں ہندوستانی مصنف کے مسودوں کے ساتھ گھر میں ہونے والے سلوک کو بیان کیا ہے۔(ہمارا گھر، مشمولہ: کلیات علی عباس حسینی، ص ۵۷۱ تا ۵۰۵)

''ہنستی چنگاری'' میں ایک عورت کا شک اس کا گھر بگاڑنے کے در پر ہوتا ہے مگر وہ اپنے شوہر کے معاملے میں جس عورت پر شک کر رہی ہوتی ہے درحقیقت وہ عورت اس کے شوہر کو اپنے بچوں جیسا درجہ دیتی ہے۔ (افسانہ، ہنستی چنگاری، مشمولہ: کلیات علی عباس حسینی، ص۶۱۱ تا ۶۶۲)

مندرجہ بالا حقائق کے مطابق: علی عباس حسینی نے جس دور میں افسانہ نگاری کا آغاز کیا اس وقت پریم چند اور ان کے ہم عصر افسانہ نگار اپنے فن کا جوہر دکھا رہے تھے۔ حسینی نے عالمی ادب کا مطالعہ کیا تھا جس کے اثرات ان کے افسانوں پر بھی نظر آتے ہیں۔ انھوں نے اپنے افسانوں میں یو پی، کے مشرقی اضلاع کے سید، پٹھان، اور ٹھاکروں کی زندگی کے نقشے کھینچے ہیں۔ ان کے افسانے، رفیق تنہائی، تار بابو، مے خانہ، قحط بنگال کے پس منظر میں لکھے گئے ہیں۔ ان کے افسانوں کا پہلا دور رومانی و اصلاحی، دوسرا دور جنسی اور تیسرا دور حقیقت نگاری اور ترقی پسندی پر مشتمل ہے۔ ان کے ابتدائی دور کے افسانوں کا محور عورت ہے۔ عورت کا درجہ ان کے یہاں بہت بلند ہے، ماں، بہن، بیٹی اور بیوی کسی بھی روپ میں آئے، اکثر قربانی و ایثار کی بیٹی، وفا کی دیوی بن کر آتی ہے۔

انھوں نے اتر پردیش کی دیہی زندگی کی خوشیوں، تکلیفوں، پریشانیوں کو بڑے متاثر کن انداز میں پیش کیا ہے۔ اور دیہاتیوں کی سادہ لوحی، بھولے پن، آپس کی لڑائی، دوستی، دشمنی اور گاؤں کے مسائل کی بھر پور عکاسی کی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ شہر کی خام تصویر کاری بھی ان کے افسانوں میں موجود ہے۔ ان کے افسانوں کے مجموعے ''ہمارا گاؤں'' کے افسانے، گاؤں کی لاج، لاٹھی پوجا، بے وقوف، پوتر سیندور، میں گاؤں کی بھر پور عکاسی موجود ہے۔ جبکہ افسانہ، آئی سی ایس، اپریل فول، اندھیرا اجالا، ایک حمام میں، شہری زندگی کی عکاسی موجود ہے۔ افسانہ، بدلہ، اور، بٹی، مغربی تہذیب کی خرابیوں کی نشاندہی کی ہے۔ کیڑا، میں جنسی بھوک کو موضوع بنایا ہے۔ پہریدار، پیاسا، اور، جن کا سایہ، میں شہری زندگی کے مسائل کی عکاسی کی ہے۔ افسانہ ''میلہ گھومنی'' علی عباس حسینی کا ممتاز افسانہ ہے۔ جس میں انھوں نے ایک عورت کی جنسی بھوک کی عکاسی کی ہے جو تین مردوں کی موت کا سبب بننے کے بعد چوتھے مرد کے ساتھ کمبھ کا میلا دیکھنے چلی جاتی ہے۔

علی عباس حسینی کے افسانوں کا بہ نظر غائر جائزہ لیا جائے تو ان کے افسانوں میں حقیقت پسندی، ہندو سماج کے تضادات، دیہات کے مسائل، عورت، شہری زندگی کے موضوعات، رومانیت، ترقی پسندانہ خیالات اور طنزیہ انداز نمایاں نظر آتا ہے۔

# حوالہ جات


۱۔ سنجیدہ خاتون، بیسویں صدی (نصف اول) کے اردو مصنّفین، ہند دہلی: انجمنِ ترقی اردو، ۲۰۰۴ء، ص ۳۳۲

۲۔ ایضاً، ص ۳۳۲

۳۔ تہمینہ اختر، علی عباس حسینی، حیات اور ادبی کارنامے، ہند دہلی: ادارہ فکر جدید، ۱۹۸۶ء ص ۹

۴۔ ایضاً، ص ۹

۵۔ ایضاً، ص ۹

۶۔ ایضاً، ص ۱۰

۷۔ علی عباس حسینی، خودنوشت، صبح نو (حسینی نمبر) جنوری، فروری، مارچ، ۱۹۷۴، جلد ۱۲، شمارہ ۳، ۲، ۱، ص ۲۴۷

۸۔ تہمینہ اختر، محولہ بالا، ص ۱۱

۹۔ علی عباس حسینی، خودنوشت، محولہ بالا، ص ۲۶۵

۱۰۔ تہمینہ اختر، محولہ بالا، ص ۱۱

۱۱۔ ایضاً، ص ۱۲

۱۲۔ سنجیدہ خاتون، محولہ بالا، ص ۳۳۳

۱۳۔ تہمینہ اختر، محولہ بالا، ص ۱۲

۱۴۔ ایضاً، ص ۱۲

۱۵۔ بحوالہ: تہمینہ اختر، علی عباس حسینی حیات اور ادبی کارنامے، ص ۱۳

۱۶۔ ایضاً، ص ۱۳

۱۷۔ ایضاً، ص ۱۷

۱۸۔ سنجیدہ خاتون، محولہ بالا، ص ۳۳۳

۱۹۔ ایضاً، ص ۳۳۳

۲۰۔ ایضاً، ص ۳۳۳

۲۱۔ تہمینہ اختر، محولہ بالا، ص ۱۴

۲۲۔ ایضاً، ص ۱۵

۲۳۔ ایضاً، ص ۱۵

۲۴۔ ایضاً، ص ۱۵
۲۵۔ ایضاً، ص ۳۳
۲۶۔ تہمینہ اختر، علی عباس حسینی حیات اور ادبی کارنامے، ص ۲۳۶، نیز: نند کشور وکرم، پیش لفظ، مشمولہ، کلیات علی عباس حسینی، مرتبہ: نند کشور وکرم، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، دہلی، ۲۰۱۵ء ص ۱۳، ۱۴ (نند کشور وکرم نے ''سوانحی اشاروں'' میں علی عباس حسینی کے ناول کا نام ''حکیم بانماز'' لکھا ہے۔ درحقیقت اس ناول کا نام ''حکیم بانا'' ہے)
۲۷۔ سنجیدہ خاتون، محولہ بالا، ص ۳۳۴، ۳۳۵
۲۸۔ ایضاً، ص ۳۳۵
۲۹۔ ایضاً، ص ۳۳۵
۳۰۔ ایضاً، ص ۳۳۵
۳۱۔ ایضاً، ص ۳۳۳
۳۲۔ عبادت بریلوی، اردو افسانہ نگاری پر ایک نظر، مشمولہ: ماہنامہ ادب لطیف (افسانہ نمبر) شمارہ ۳، ۴، جلد ۲۰، ۱۹۶۵، ص ۷۹
۳۳۔ ایضاً، ص ۸۰
۳۴۔ خلیل الرحمن اعظمی، اردو میں ترقی پسند تحریک، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۲۰۰۲ء، ص ۱۸۲
۳۵۔ ایضاً، ص ۱۸۲
۳۶۔ ایضاً، ص ۱۸۲
۳۷۔ ایضاً، ص ۲۸۲
۳۸۔ تہمینہ اختر، علی عباس حسینی حیات اور ادبی کارنامے، ص ۹۵
۳۹۔ ایضاً، ص ۶۶
۴۰۔ ایضاً، ص ۶۶
۴۱۔ ایضاً، ص ۶۷
۴۲۔ ایضاً، ص ۶۷
۴۳۔ ایضاً، ص ۵۹
۴۴۔ ایضاً، ص ۶۲
۴۵۔ ایضاً، ص ۶۹
۴۶۔ ایضاً، ص ۶۹
۴۷۔ ایضاً، ص ۶۹

۴۸۔ ایضاً، ص ۶۹
۴۹۔ ایضاً، ص ۶۹
۵۰۔ مرزا حامد بیگ، افسانے کا منظر نامہ، لاہور: اورینٹ پبلشرز، ۲۰۱۲ء، ص ۶
۵۱۔ وقار عظیم، داستان سے افسانے تک، کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۶۶ء ص ۱۸۵
۵۲۔ ایضاً، ص ۱۸۵
۵۳۔ ایضاً، ص ۱۸۵
۵۴۔ ایضاً، ص ۲۱۴
۵۵۔ نند کشور وکرم، پیش لفظ، محولہ بالا، ۲۰۱۵ء، ص ۹
۵۶۔ ایضاً، ص ۹
۵۷۔ ایضاً، ص ۹
۵۸۔ ایضاً، ص ۹
۵۹۔ ایضاً، ص ۱۰
۶۰۔ ایضاً، ص ۱۱
۶۱۔ وقار عظیم، داستان سے افسانے تک، ص ۲۱۴
۶۲۔ مرزا حامد بیگ، افسانے کا منظر نامہ، ص ۲۶، ۲۷
۶۳۔ ایضاً، ص ۲۷
۶۴۔ محمد حسن، جدید اردو ادب، نئی دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۱۹۷۵ء، ص ۲۳
۶۵۔ مرزا حامد بیگ، محولہ بالا، ص ۲۷
۶۶۔ ایضاً، ص ۲۷
۶۷۔ ایضاً، ص ۲۷
۶۸۔ ایضاً، ص ۵۷
۶۹۔ نند کشور وکرم، پیش لفظ، مشمولہ: محولہ بالا، ص ۱۱
۷۰۔ ایضاً، ص ۱۱
۷۱۔ ایضاً، ص ۱۱
۷۲۔ مرزا حامد بیگ، محولہ بالا، ص ۲۷، ص ۶۱
۷۳۔ ایضاً، ص ۶۲